اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ (التحریم:6)

الحادی فتنے

اور

والدین کی ذمہ داریاں

تالیف: مفتی محمد اویس باجوہ

دارالفکر شریعہ اکیڈمی

فہرست

فہرست 1
مقدمہ 3
حصہ اول 6
الحاد کی لغوی و اصطلاحی وضاحت 7
دہریت اور الحاد 7
دورِ حاضر میں الحاد کی فکری قسمیں 8
.1 الحادِ مطلق (Gnostic Atheism) 8
.2 لاادریت (Agnosticism) 8
.3 ڈی ایزم (Deism) 9
یہ بھی الحاد ہے 9
عصرِ حاضر میں الحاد کے فکری و سماجی محرکات 13
فکری خلا اور دینی علم کی کمی 13
نفسانی خواہشات کی پیروی اور شخصیت کا عدم توازن 13
دین کی غلط تفہیم اور غیر ضروری سختی کے اثرات
علمی غرور اور روحانی خشکی 15
سوالات کو دبانا اور مکالمے کا فقدان 15
مسلم امہ کی اجتماعی کمزوری اور پسماندگی 16
دیندار طبقے کا نامناسب رویہ اور منفی مثالیں 16
تعلیمی اداروں کا دینی کردار ادا نہ کرنا 16
میڈیا کا کردار 17
فلم انڈسٹری کا اثر 17
سوشل میڈیا کا پھیلاؤ 18

مغربی تہذیب اور فلسفے کا مطالعہ 18
مغربی نظامِ تعلیم کا تسلط 18
جدید سائنسی دور کی ذہنیت 19
منظم الحادی پروپیگنڈا اور ثقافتی ادارے 19
این جی اوز (NGOs) کا کردار 20
حصہ دوم 21
والدین کا کردار اور الحاد کا نفسیاتی پس منظر 22
والدین اور اولاد کا اسلامی تعلق: الحاد سے حفاظت کی بنیاد 25
والدین کی ذمہ داریاں 25
اولاد کے فرائض 25
اس تعلق کی حکمت اور اہمیت 26
اولاد کو الحاد سے کیسے بچائیں؟ 28
خاندان بطورِ تربیت گاہ 28
بچے کے اخلاق اور ضمیر کی تشکیل 29
ضمیر کی تشکیل اور بچپن کے اہم مراحل 31
بنیادی دینی تعلیم کی فراہمی 32
علمائے حق سے تعلق مضبوط کروانا 33
دوستوں کا انتخاب 34
صالحین سے محبت و تعظیم سکھانا 36
الحاد سے حفاظت کے لیے عملی تربیتی طریقے 37
نئی نسل کا فکری تحفظ: الحاد کے چیلنج کا مشترکہ مقابلہ 46

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي نَوَّرَ قُلُوبَ الْمُؤْمِنِينَ بِنُورِ الْإِيمَانِ وَالْيَقِينِ، وَعَصَمَهُمْ مِنْ مَزَالِّ الشَّكِّ وَضَلَالَاتِ الْمُلْحِدِينَ. وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ، وَإِمَامِ الْمُتَّقِينَ، الَّذِي بُعِثَ لِيُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ، وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الَّذِينَ كَانُوا نُجُومَ الْهِدَايَةِ لِلسَّالِكِينَ.

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں ایک ایسے دین کا پیروکار بنایا جو عقل و وحی، علم و عمل، اور مادّہ و روح کے درمیان کامل توازن قائم کرتا ہے۔ اسلام نہ صرف عبادات کا نظام ہے بلکہ ایک فکری و اخلاقی تہذیب بھی ہے جس کی بنیاد ایمانِ کامل اور اخلاقِ فاضلہ پر رکھی گئی ہے۔ مگر افسوس کہ عصرِ حاضر کی تیزرفتار مادی دوڑ اور مغربی فکری یلغار نے امتِ مسلمہ کے فکری و روحانی توازن کو بُری طرح مجروح کر دیا ہے۔

آج کا سب سے سنگین اور ہمہ گیر فتنہ **الحاد** ہے — یعنی خدا کے وجود، وحی کے ماخذ، اور قیامت کے تصور کا انکار۔ یہ محض نظریاتی کجی نہیں بلکہ ایک ایسا فکری طوفان ہے جو ایمان کی جڑوں کو کاٹتا، اخلاقی بنیادوں کو کھوکھلا کرتا، اور انسان کو خود اپنے معنی سے بیگانہ کر دیتا ہے۔ یہ فتنہ اپنے دامن میں صرف فکری انکار ہی نہیں بلکہ اخلاقی انحطاط، نفسانی آزادی، اور روحانی خلا کا مکمل نظام لیے ہوئے ہے۔

اگر اس فتنے کی جڑوں کو کھوجا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اصل بیماری **خاندانی و تربیتی نظام** میں دراڑ سے شروع ہوتی ہے۔ جب والدین قرآنی منہجِ تربیت

سے غافل ہو جاتے ہیں، گھروں سے ذکرِ الٰہی اور اخلاقِ نبوی کی خوشبو مفقود ہو جاتی ہے، اور تعلیم کا مرکز دنیاوی کامیابی تک محدود رہ جاتا ہے، تو بچوں کے دلوں میں وہ نور نہیں اُترتا جو شبہات اور خواہشات کے اندھیروں میں راستہ دکھاتا ہے۔ یہی خلا بعد میں **تشکیک، بغاوت اور الحاد** کی شکل اختیار کرتا ہے۔

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ کسی قوم کا زوال اس وقت شروع ہوتا ہے جب وہ اپنی نسلوں کی **فکری اور اخلاقی تربیت** سے غافل ہو جائے۔ اسی لیے شریعتِ اسلامیہ نے والدین پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو صرف دنیاوی آسائش نہیں بلکہ **ایمان کی حرارت اور یقین کا سرمایہ** فراہم کریں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: " يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ " ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ (التحریم:6)

اسی مقصد کے پیشِ نظر یہ تالیف ترتیب دی گئی ہے — تاکہ والدین، اساتذہ، اور اہلِ علم اس فتنے کی حقیقت کو جان سکیں اور اس کے تدارک کے لیے ایک **قرآنی و عملی لائحہ عمل** اختیار کر سکیں۔

کتاب دو بنیادی حصوں پر مشتمل ہے: **حصہ اول: تشخیصِ مرض** اور **حصہ دوم: تجویزِ علاج۔**

کتاب کا پہلا حصہ اس فکری مرض کی مکمل تشخیص پر مشتمل ہے۔ اس میں سب سے پہلے الحاد کے لغوی اور اصطلاحی معنی پر تفصیلی بحث کی گئی ہے تاکہ قارئین اس

نظریے کی اصل حقیقت کو سمجھ سکیں۔ اس کے بعد ان تمام عوامل کا گہرائی سے جائزہ لیا گیا ہے جو الحاد کے فروغ کا باعث بن رہے ہیں، یہ حصہ اس مرض کی جڑوں کو بے نقاب کرتا ہے تاکہ علاج کی بنیاد ایک مضبوط اور درست تشخیص پر رکھی جا سکے۔

اور کتاب کا دوسرا اور مرکزی حصہ اس فکری مرض کا عملی اور جامع علاج تجویز کرتا ہے۔ یہ حصہ اس حقیقت پر مبنی ہے کہ الحاد کا مقابلہ صرف دفاعی انداز میں نہیں، بلکہ ایک مضبوط اقدامی حکمتِ عملی سے کیا جا سکتا ہے۔ اس میں مسلم بچے کو الحاد سے بچانے کے لیے قرآن و سنت کی روشنی میں ٹھوس تربیتی اصول پیش کیے گئے ہیں، جن پر عمل کر کے ہم اپنی نوجوان نسل کو اس فتنے سے محفوظ کر سکتے ہیں۔

اسلامی تربیت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ بچہ محض علم سے نہیں بلکہ **محبت، کردار اور روحانی ماحول** سے بنتا ہے۔ جب والدین اپنے کردار میں رحمتِ الٰہی کا مظہر بنیں، اور ان کا گھر ذکر و اخلاق کا مرکز بن جائے، تو وہ اولاد کے دلوں میں وہ ایمان راسخ کر دیتے ہیں جو کسی فلسفیانہ شبہ یا سائنسی مغالطے سے متزلزل نہیں ہوتا۔

ہماری دعا ہے کہ یہ کاوش امت کے فکری و تربیتی نظام میں ایک بیداری کا سبب بنے، والدین اور اساتذہ کے دلوں میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس پیدا کرے، اور نئی نسل کو الحاد کے طوفان سے محفوظ رکھنے میں ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہو۔

حصہ اول

الحاد کی لغوی و اصطلاحی وضاحت

دورِ حاضر میں الحاد کی فکری قسمیں

عصرِ حاضر میں الحاد کے فکری و سماجی محرکات

الحاد کی لغوی و اصطلاحی وضاحت

لغوی معنی:

عربی لغت میں لفظ "الحاد" کا مادہ (ل، ح، د) ہے، جس کے بنیادی معنی "استقامت سے ہٹنا، انحراف کرنا، اور کج روی اختیار کرنا" ہیں۔ اسی لیے جو شخص سیدھے راستے سے بھٹک جائے، اس کے لیے کہا جاتا ہے: "لحد في الدين" یعنی وہ دین میں ٹیڑھا ہو گیا۔ قرآن مجید نے اسی مفہوم کو سورہ حم السجدہ کی آیت 40 میں بیان فرمایا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا" **ترجمہ**: بے شک وہ جو ہماری آیتوں میں ٹیڑھے چلتے (انحراف کرتے) ہیں ہم سے چھپے نہیں۔"

اسی مادے سے قبر کی "**لحد**" کا لفظ نکلا ہے، جو قبر میں ایک طرف کھودی گئی جگہ کو کہتے ہیں، کیونکہ یہ بھی سیدھی کھدائی سے ایک جانب "ہٹی ہوئی" ہوتی ہے۔ پس، الحاد کا لغوی مفہوم سیدھے راستے سے بھٹکنا اور ایک طرف مائل ہو جانا ہے۔

اصطلاحی معنی

لغوی اعتبار سے الحاد کا مطلب صرف "انحراف" ہے، لیکن اصطلاح میں یہ لفظ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ عام طور پر الحاد سے مراد لادینیت اور خدا پر عدم یقین کا وہ عقیدہ ہے جس کی بنیاد پر خدا، رسول اور آخرت کے تصور کا انکار کیا جائے۔

دہریت اور الحاد

الحاد سے ملتا جلتا ایک قدیم نظریہ **"دہریت "** بھی ہے۔ یہ لفظ عربی کے "دہر "(زمانہ) سے نکلا ہے۔ دہریہ اس شخص کو کہتے ہیں جو صرف زمانے (مادے) کے قدیم ہونے کو مانتا ہے لیکن اس کے خالق کا انکار کرتا ہے۔ یہ کوئی نیا فتنہ نہیں، اور ہر دور میں علمائے اسلام نے عقلی و نقلی دلائل سے اس کے باطل نظریات کا رد کیا ہے۔

دورِ حاضر میں الحاد کی فکری قسمیں

موجودہ دور میں الحاد کو فکری اعتبار سے عموماً تین بڑی قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

1.الحادِ مطلق(Gnostic Atheism)

- **تعریف :** یہ الحاد کی سب سے شدید اور معروف قسم ہے۔ اس نظریے کے حامل افراد صرف خدا کے وجود پر شک نہیں کرتے بلکہ اس بات کا **یقین** رکھتے ہیں کہ خدا کا کوئی وجود نہیں ہے۔
- **نظریات :** یہ لوگ روح، فرشتوں، جنت، دوزخ اور تمام مابعد الطبیعاتی امور کو یکسر مسترد کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ کائنات کسی خالق نے نہیں بنائی بلکہ یہ خود بخود وجود میں آئی ہے اور فطری قوانین کے تحت چل رہی ہے۔
- **وضاحت :** عام طور پر جب "ملحد" یا "Atheist" کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے یہی طبقہ مراد ہوتا ہے۔

2.لاادریت(Agnosticism)

- **تعریف :** یہ نظریہ کہتا ہے کہ انسانی عقل خدا کے وجود یا عدمِ وجود کے بارے میں حتمی علم حاصل نہیں کر سکتی۔ یہ اصطلاح انیسویں صدی کے ماہر حیاتیات ٹی. ایچ .ہکسلے نے متعارف کروائی۔
- **نظریات :** ایک "لاادری (Agnostic) "نہ تو خدا کے وجود کا دعویٰ کرتا ہے اور نہ ہی اس کا انکار کرتا ہے۔ وہ اس بحث میں پڑنے سے گریز کرتا ہے اور اس سوال پر ایک غیر جانبدارانہ موقف اختیار کرتا ہے۔

3.ڈی ایزم(Deism)

- **تعریف :** یہ ایک ایسا نظریہ ہے جو خدا کو کائنات کے خالق کے طور پر تو تسلیم کرتا ہے، لیکن اس کے بعد کائنات کے معاملات میں اس کی کسی بھی قسم کی مداخلت کو مسترد کرتا ہے۔
- **نظریات :** ڈی ازم کے مطابق خدا نے کائنات بنا کر اسے اس کے اپنے قوانین پر چھوڑ دیا ہے اور اب وہ اس سے بے نیاز ہے۔ اس نظریے کا لازمی نتیجہ وحی، رسالت اور آخرت کا انکار ہے، کیونکہ اگر خدا دنیا کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتا تو انبیاء بھیجنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔

یہ بھی الحاد ہے

الحاد صرف خدا کے وجود کا مکمل انکار نہیں، بلکہ اس کی کئی چھپی ہوئی اور لطیف صورتیں بھی ہیں جو بظاہر ایمان کے دعوے کے ساتھ ایک شخص میں موجود

ہوسکتی ہیں۔ دین سے انحراف اور بغاوت کی یہ شکلیں بھی الحاد کے دائرے میں آتی ہیں۔

.1 انکارِ حدیث: دین میں تفریق کا الحاد

الحاد کی ایک خطرناک شکل دین کے دو بنیادی مآخذ—قرآن و سنت—میں تفریق پیدا کرنا ہے۔ اس فکر کا حامل شخص یہ رویہ اختیار کرتا ہے:

- وہ دینِ اسلام اور قرآن و سنت کی تعلیمات سے بیزاری محسوس کرتا ہے اور ان کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتا ہے۔
- وہ یہ نظریہ قائم کرتا ہے کہ اصل اسلام صرف قرآن ہے، جبکہ حدیث و سنت کو علماء نے بعد میں دین میں داخل کیا ہے، جس کی کوئی حیثیت نہیں۔
- وہ محدثین کی عظیم محنتوں سے ثابت شدہ صحیح احادیث کو یہ کہہ کر رد کر دیتا ہے کہ "میری عقل اسے نہیں مانتی"، "یہ قرآن کے خلاف ہے" یا "یہ تین سو سال بعد لکھی گئی ہے"۔

جو شخص سنتِ رسول ﷺ کو دین کا حصہ ماننے سے انکار کرے، اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اس کے اندر الحاد جڑ پکڑ چکا ہے۔

.2 دین کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھنا

یہ نظریہ کہ قرآن صرف آخرت کی نجات کے لیے ہے اور دنیاوی ترقی کے لیے اس کی تعلیمات کو ترک کرنا ضروری ہے، الحاد کی ایک جدید شکل ہے۔ اس سوچ کے حامل شخص کا ماننا ہوتا ہے کہ:

- دنیا میں ترقی کی خاطر قرآن کی تعلیمات سے آزادی حاصل کرنا لازمی ہے۔
- جس طرح یورپ نے مذہب چھوڑ کر ترقی کی، مسلمانوں کو بھی ترقی کے لیے قرآن و سنت کی پابندیوں کو چھوڑنا ہوگا۔
- قرآنی احکامات، سنتِ رسول ﷺ اور دینی پابندیاں ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔

جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو اپنی دنیاوی کامیابی میں رکاوٹ سمجھے، وہ الحاد کی سنگین بیماری میں مبتلا ہے۔

.3 ذاتِ باری تعالیٰ میں عقلی موشگافیاں

قرآنی بیانات کو چھوڑ کر محض اپنی محدود انسانی عقل کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا گہرے الحاد کی علامت ہے۔

مثلاً:

- یہ سوچنا کہ اللہ کیسے دیکھ سکتا ہے، کیونکہ دیکھنے کے لیے آنکھیں ضروری ہیں؟
- یہ گمان کرنا کہ اللہ کیسے سن سکتا ہے، کیونکہ سننے کے لیے کانوں کی حاجت ہے؟
- یہ فیصلہ کرنا کہ اللہ بول نہیں سکتا، کیونکہ بولنے کے لیے زبان، دانت اور مخارج کی ضرورت ہے۔

جب ایک کمزور مخلوق اپنے خالق، جس نے اسے یہ تمام صفات عطا کیں، کے بارے میں ایسے عقلی فیصلے صادر کرنے لگے تو یہ الحاد کی انتہا ہے۔

.4عبادات اور شعائرِ دین سے بیزاری

یہ الحادی فکر جب عملی زندگی میں ظاہر ہوتی ہے تو انسان عبادات اور دینی شعائر سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

- نماز سے نفرت کرنا اور اسے "وقت کا ضیاع" سمجھنا۔
- داڑھی جیسی سنت کا مذاق اڑانا، اس سے نفرت کرنا یا اسے عبادت کا حصہ نہ سمجھنا۔
- خواتین کے پردے کو ان کی ترقی میں رکاوٹ قرار دینا۔
- یہ محسوس کرنا کہ اللہ نے خواہشات دے کر ان پر پابندیاں کیوں لگائیں۔

مختصر یہ کہ الحاد صرف واضح انکار کا نام نہیں، بلکہ دین سے انحراف اور بغاوت کی ہر وہ شکل ہے جو انسان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اطاعت سے دور کر دے۔ یہ درجہ بدرجہ انسان کے ایمان کو کھوکھلا کر دیتی ہے اور بعض صورتوں میں ارتداد تک پہنچا دیتی ہے۔

عصرِ حاضر میں الحاد کے فکری و سماجی محرکات

الحاد کوئی نیا نظریہ نہیں ہے، بلکہ اس کی جڑیں بہت قدیم ہیں۔ ہر دور میں اس کے اسباب مختلف رہے ہیں، جن کی بنیاد پر اس کی مختلف شکلیں سامنے آئیں اور معاشرے پر اس کے اثرات مرتب ہوئے۔ آج کی باہم مربوط دنیا میں کوئی بھی نظریہ یا تحریک تیزی سے پھیلتی ہے اور اس کے اثرات مقامی حالات کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں۔ پاکستان جیسے معاشرے میں، جہاں اکثریت مذہب کی پیروکار ہے، مغربی لادینیت کی تحریک کے کچھ اسباب اور اثرات نظر آرہے ہیں۔ ذیل میں چند اہم اسباب بیان کیے گئے ہیں:

فکری خلا اور دینی علم کی کمی

جب کسی فرد کے پاس اپنے دین کا بنیادی اور مضبوط علم نہیں ہوتا، تو وہ فکری طور پر خالی ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص کسی بھی نئے نظریے، چاہے وہ کتنا ہی گمراہ کن کیوں نہ ہو، سے جلد متاثر ہو جاتا ہے اور اس کے لیے تعصب اختیار کر لیتا ہے۔ علم کی یہ کمی اسے ملحد فلسفیوں کی کتابوں میں پیش کیے گئے شبہات کا آسان شکار بنا دیتی ہے۔ چونکہ اس کے پاس ان شبہات کا مقابلہ کرنے کے لیے فکری اور علمی دفاع موجود نہیں ہوتا، اس لیے وہ ان سے متاثر ہو کر انہیں قبول کر لیتا ہے۔

نفسانی خواہشات کی پیروی اور شخصیت کا عدمِ توازن

الحاد کا ایک بڑا سبب اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلنا ہے۔ جب انسان صحیح اور

غلط کا فیصلہ الہامی رہنمائی کے بجائے صرف اپنی خواہشات کی بنیاد پر کرنے لگتا ہے، تو وہ حق بات کو بھی ٹھکرا دیتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”: فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکَ فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یَتَّبِعُوۡنَ اَهۡوَآءَهُمۡ ؕ وَ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَیۡرِ هُدًی مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ“ ترجمہ: پھر اگر وہ یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ بس وہ اپنی خواہشوں ہی کی پیروی کر رہے ہیں اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اللہ کی طرف سے ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرے۔ بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (القصص:50)

اسی لیے نبی کریم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی امت کو خواہشات کی پیروی کے خطرے سے خبردار کیا ہے۔ اگر والدین بچپن ہی میں بچے کے ضمیر میں اعلیٰ اخلاقی اور دینی اقدار پیدا کریں تو وہ خواہشات کے غلبے اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی گمراہی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

دین کی غلط تفہیم اور غیر ضروری سختی کے اثرات

بسا اوقات الحاد ایسے ماحول کے ردِ عمل کے طور پر جنم لیتا ہے جہاں دین کی روحِ اعتدال کو جمود اور ظاہری سختی نے ڈھانپ لیا ہو۔ جہالت کے باعث بعض لوگ ان باتوں کو دین کا لازمی جزو سمجھ لیتے ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہوتی۔ اسلام نے جہاں آسانی، وسعت اور توازن رکھا ہے، وہاں سختی اور تنگی کو داخل کر دیا جاتا ہے۔ جب مذہب کو خود ساختہ خوف، جبر یا رسموں کے قالب میں پیش کیا

جائے تو دلوں سے اس کی کشش ختم ہونے لگتی ہے۔ ایسے ماحول میں پروان چڑھنے والے افراد کے لیے دین ایک بوجھ محسوس ہونے لگتا ہے۔ یوں بعض لوگ ردِ عمل میں دین سے دوری یا الحاد کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ دراصل فہمِ دین کی کمی اور غیر متوازن تربیت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

علمی غرور اور روحانی خشکی

بعض اوقات نوجوان اپنے سطحی اور جذباتی ایمان پر غیر معمولی خود اعتمادی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ ایمان مضبوط علمی بنیادوں پر استوار نہیں ہوتا۔ جب ایسے نوجوانوں کا سامنا الحادی شکوک و شبہات سے ہوتا ہے تو وہ علمی طور پر ان کا جواب دینے سے قاصر رہتے ہیں، لیکن تکبر کے باعث اپنی کم علمی کا اعتراف بھی نہیں کر پاتے۔ اس کے ساتھ ساتھ، اگر عبادات میں لذت اور اللہ سے قربت کا روحانی احساس موجود نہ ہو تو دل میں ایک قسم کی خشکی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ روحانی خلا اور علمی غرور مل کر الحاد کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

سوالات کو دبانا اور مکالمے کا فقدان

کچھ خاندانوں اور معاشروں کا رویہ بھی الحاد کے فروغ کا سبب بنتا ہے۔ جب نوجوانوں کو ان کے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات پوچھنے سے روکا جاتا ہے اور سوال کرنے کو کفر سے تعبیر کیا جاتا ہے، تو ان کے ذہن میں یہ تاثر پختہ ہو جاتا ہے کہ شاید اسلام کے پاس ان سوالات کے جوابات موجود نہیں ہیں۔ یہ دباؤ شکوک کو ختم

کرنے کے بجائے انہیں مزید تقویت دیتا ہے اور بالآخر نوجوان دین سے ہی باغی ہو جاتا ہے۔

مسلم امہ کی اجتماعی کمزوری اور پسماندگی

جب مغربی اقوام سے متاثر کوئی نوجوان ترقی یافتہ کافر معاشروں کا موازنہ مسلمانوں کی پسماندگی، زوال اور باہمی انتشار سے کرتا ہے، تو اس کا اپنی تہذیب اور دین پر اعتماد متزلزل ہو سکتا ہے۔ امت کا مختلف گروہوں میں بٹا ہونا اور ان کے درمیان نفرتیں بھی نوجوان ذہنوں کو الجھا دیتی ہیں۔ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اگر یہ دین حق ہے تو اس کے پیروکار اتنے منقسم اور پسماندہ کیوں ہیں، اور یہ سوچ انہیں دین سے دور کر دیتی ہے۔

دیندار طبقے کا نامناسب رویہ اور منفی مثالیں

بعض اوقات الحاد کا سبب مذہبی طبقے سے وابستہ بعض افراد کا غلط رویہ بھی بنتا ہے۔ جب دین کا نمائندہ سمجھے جانے والے افراد کی طرف سے ظلم، تشدد، بددیانتی یا حقوق کی پامالی جیسے اعمال سامنے آتے ہیں، تو لوگ ان افراد کے عمل کو براہِ راست دین سے منسوب کر دیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں دین سے ایک نفرت اور بیزاری پیدا ہوتی ہے جو بالآخر الحاد کی شکل اختیار کر لیتی ہے، حالانکہ ان افراد کے اعمال کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

تعلیمی اداروں کا دینی کردار ادا نہ کرنا

جب اسکول، کالج اور دیگر تعلیمی ادارے بچوں کی دینی تربیت اور ان کے سوالات کے جوابات دینے میں ناکام رہتے ہیں، تو نوجوانوں میں الحادی شبہات پیدا ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ روایتی اور غیر تخلیقی تدریسی انداز طلباء کے اسلامی عقیدے کو متزلزل کر سکتا ہے اور انہیں شرعی علم کی مضبوط بنیاد فراہم نہیں کر پاتا۔ صرف قلبی ایمان شبہات کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی نہیں، جب تک کہ نوجوان کو علمی طور پر تیار نہ کیا جائے۔

میڈیا کا کردار

موجودہ دور میں میڈیا، خصوصاً مغربی میڈیا، الحاد کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ یورپی میڈیا اپنے نظریات اور ثقافت کو ڈاکومنٹریز، فلموں اور خبروں کے ذریعے ہمارے معاشرے پر مسلط کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، بی بی سی اردو جیسے پلیٹ فارمز پر شائع ہونے والے مضامین، جیسا کہ مونیکا گریڈی کا آرٹیکل "کیا فزکس خدا کے وجود کو ثابت کر سکتی ہے؟"، فطری مظاہر اور سائنسی قوانین کی آڑ میں خدا کے وجود پر شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں۔ یہ مواد بظاہر سائنسی تجزیہ لگتا ہے، لیکن درحقیقت یہ نئی نسل کے ذہنوں میں لادینیت کے بیج بوتا ہے۔

فلم انڈسٹری کا اثر

فلمیں انسانی ذہن پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں اور عقائد و نظریات کو تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ فلموں کے ذریعے دین کے خلاف شکوک و

شبہات کو آسانی کے ساتھ ذہنوں میں پختہ کیا جاتا ہے، حتیٰ کہ باقاعدہ الحاد کو درست ثابت کرنے کے لئے مکمل فلمیں تیار کی جاتی ہیں جنہیں پاکستان سمیت دنیا بھر میں دیکھی جاتی ہیں اور مذہب بیزاری اور تشکیک کو فروغ دیتی ہیں۔

سوشل میڈیا کا پھیلاؤ

سوشل میڈیا نے ملحدین کو متحد ہونے اور اپنے نظریات پھیلانے کے لیے ایک مؤثر پلیٹ فارم فراہم کیا ہے۔ فیس بک اور ٹویٹر پر ایسے بے شمار گروپس اور پیجز موجود ہیں جہاں مذہب کے خلاف سائنسی دلائل پیش کیے جاتے ہیں اور سائنس کو مذہب کے مقابلے میں ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اپنی شناخت خفیہ رکھتے ہیں، جیسا کہ بی بی سی اردو کے آرٹیکل "پاکستان کے خفیہ ملحد" میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔

مغربی تہذیب اور فلسفے کا مطالعہ

مغربی تہذیب کی بنیاد مذہب کے خلاف عقل و حکمت کی لڑائی پر رکھی گئی ہے۔ بہت سے مسلمان نوجوان مغربی فلسفے کا مطالعہ کرتے ہیں، لیکن دینی علم کی کمی کی وجہ سے وہ ملحد فلاسفرز کے نظریات سے متاثر ہو جاتے ہیں، جو دنیا کو صرف تجربات کی بنیاد پر پرکھتے ہیں اور انہیں جس انداز سے دکھایا جاتا ہے اس پر بغیر تحقیق کے قبول بھی کر لیتے ہیں۔

مغربی نظامِ تعلیم کا تسلط

پاکستان میں مغربی نظامِ تعلیم کا تسلط مذہب بیزاری کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ یہ نظامِ تعلیم اخلاص اور صداقت کی روح سے خالی ہے اور تعلیم کو صرف مال کے حصول کا ذریعہ بناتا ہے۔ اس سے ایک ایسی نسل تیار ہوتی ہے جو اسلامی تعلیمات، تاریخ اور روایات سے ناواقف اور ذہنی طور پر مغربی سانچے میں ڈھلی ہوتی ہے۔

جدید سائنسی دور کی ذہنیت

سائنس کی ترقی نے کائنات کے بہت سے رازوں سے پردہ اٹھایا ہے، جس سے کم علم لوگ تشکیک کا شکار ہو گئے ہیں۔ ملحدین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کائنات قوانینِ فطرت (جیسے کششِ ثقل) کے تحت چل رہی ہے، لہٰذا خدا کی ضرورت نہیں۔ مثال کے طور پر، بارش کا برسنا ایک سائنسی عمل ہے، اس میں خدا کا کیا عمل دخل ہے؟ وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ان اسباب کو پیدا کرنے والی اور ان سے کام لینے والی بھی ایک ذات (مسبب الاسباب) موجود ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

منظم الحادی پروپیگنڈا اور ثقافتی ادارے

آج کے دور میں الحاد کو منظم طریقے سے پھیلایا جا رہا ہے۔ اشاعتی ادارے ایسی کتابیں اور ناول شائع کر رہے ہیں جو ملحدانہ افکار پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ، "ثقافتی کیفے" اور ادبی نشستوں کے نام پر ایسے اجتماعات منعقد کیے جاتے ہیں، جہاں آزادیٔ اظہار کے نام پر مذہب مخالف نظریات کو فروغ دیا جاتا ہے۔ یہ ادارے نوجوانوں کو اپنی طرف متوجہ کر کے ان کے ذہنوں میں تشکیک کے بیج بوتے ہیں۔

این جی اوز (NGOs) کا کردار

پاکستان میں بہت سی غیر سرکاری تنظیمیں (NGOs) جدیدیت اور حقوق کے نام پر سیکولرازم اور الحاد کو فروغ دے رہی ہیں۔ مثال کے طور پر، "عورت مارچ" جیسے ایونٹس کی آڑ میں "میرا جسم میری مرضی" جیسے نعرے لگا کر اسلامی احکامات کی مخالفت کی جاتی ہے، جو معاشرے میں لادینیت کے رجحان کو بڑھاوا دیتی ہے۔

یہ تمام اسباب مل کر ایک ایسا ماحول پیدا کرتے ہیں جہاں الحاد اور لادینیت کی راہیں ہموار ہوتی ہیں، خصوصاً ان نوجوانوں کے لیے جو دینی علم اور فکری پختگی سے محروم ہیں۔

حصہ دوم

والدین کا کردار اور الحاد کا نفسیاتی پس منظر

اولاد کو الحاد سے کیسے بچائیں؟

الحاد سے حفاظت کے لیے عملی تربیتی طریقے

نئی نسل کا فکری تحفظ: الحاد کے چیلنج کا مشترکہ مقابلہ

والدین کا کردار اور الحاد کا نفسیاتی پس منظر

الحاد کی طرف مائل ہونے کی ایک بنیادی اور گہری وجہ والدین کا اپنی تربیتی ذمہ داریوں میں کوتاہی برتنا اور بچے کو نظر انداز کرنا ہے۔ یہ غفلت بچے کی نفسیاتی، عقلی اور خاص طور پر دینی نشو و نما پر منفی اثرات مرتب کرتی ہے، جس کے نتیجے میں بچے اور والدین کے درمیان تعلقات میں شدید بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ یہ بگاڑ صرف خاندانی سطح تک محدود نہیں رہتا، بلکہ وسیع ہو کر خدائی اختیار کو مسترد کرنے (الحاد) کی بنیاد بن جاتا ہے۔

1. بچپن کی بنیاد: والدین کے ساتھ تعلقات

بچے کی شخصیت کی بنیاد اس کے والدین کے ساتھ تعلقات پر رکھی جاتی ہے۔ والدین ہی اس کے لیے محبت، تحفظ، اعتماد اور اخلاقی رہنمائی کا پہلا ذریعہ ہوتے ہیں۔ ایک صحت مند اور محبت بھرا خاندانی ماحول بچے کے اندر مثبت جذبات پیدا کرتا ہے اور اسے ایک مستحکم شخصیت کا مالک بناتا ہے۔ اس کے برعکس، **والدین کے ساتھ خراب تعلقات، محبت کی کمی، امتیازی سلوک، اور جسمانی و ذہنی تشدد اسے ڈپریشن اور دیگر نفسیاتی مسائل کا شکار بنا دیتا ہے۔** یہ منفی تجربات بچے کے دل میں بغاوت اور ہر قسم کے اختیار کو مسترد کرنے کا رجحان پیدا کرتے ہیں، جس کا پہلا ہدف خود اس کے والدین ہوتے ہیں۔

.2 والدین سے بغاوت کا الحاد سے تعلق

جب بچہ اپنے والدین، جو اس کی زندگی میں اختیار کی سب سے پہلی اور بنیادی شکل ہیں، کو مسترد کرتا ہے، تو اس کے اندر اختیار کے ہر تصور کے خلاف ایک منفی رویہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بغاوت صرف والدین تک محدود نہیں رہتی، بلکہ اسکول، معاشرے اور بالآخر مذہبی و خدائی اختیار تک پھیل جاتی ہے۔ **لہٰذا، انسان کی اپنے والدین سے محبت اور فرمانبرداری کا براہِ راست تعلق اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کے احکامات کی پیروی سے ہے۔** ایک مثبت خاندانی پس منظر خدا پر ایمان کی بنیاد کو مضبوط کرتا ہے، جبکہ ایک منفی اور تکلیف دہ بچپن اس بنیاد کو کمزور کر دیتا ہے۔

3. غلط تربیتی انداز اور ان کے تباہ کن اثرات

والدین کے چند غلط تربیتی طریقے، جو بچے کو الحاد کی طرف دھکیل سکتے ہیں، درج ذیل ہیں:

- **تسلط اور کنٹرول :** جب والدین بچے کی زندگی کے ہر معاملے میں سختی اور کنٹرول کا مظاہرہ کرتے ہیں، تو اس سے بچے کی خود اعتمادی ختم ہو جاتی ہے، وہ دوسروں کا پیروکار بن جاتا ہے اور اس کے اندر والدین کے خلاف دبی ہوئی نفرت پیدا ہوتی ہے جو بعد میں خدا کے خلاف بغاوت کی شکل اختیار کر سکتی ہے۔ اس سے بچے میں تنقیدی سوچ کی صلاحیت بھی ختم ہو جاتی ہے، اور وہ بغیر سوچے سمجھے شبہات کو قبول کرلیتا ہے۔

- **حد سے زیادہ حفاظت** : یہ طریقہ بچے کو غیر خود مختار اور دوسروں پر انحصار کرنے والا بنا دیتا ہے۔ وہ ذمہ داری اٹھانے اور فیصلے کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے، ایسی طبیعت کا فرد شبہات سے جلد متاثر ہوتا ہے۔
- **نفسیاتی تکلیف دینا** : بچے کو بار بار احساسِ گناہ دلانا، اس کی تذلیل کرنا، اور اس پر تنقید کرنا اس کی خود اعتمادی کو ختم کر دیتا ہے اور اس کے اندر منفی جذبات پیدا کرتا ہے جو بعد میں الحاد کا سبب بن سکتے ہیں جیسا کہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر مجرموں کا ماضی ایسا ہی ہوتا ہے اور ملحدین کی ایک تعداد ہے کہ جنہوں نے اپنے ماضی کے بارے میں انہیں چیزوں کا ذکر کیا ہے۔
- **نظر اندازی** :(Neglect) والدین کی عدم توجہی کی وجہ سے بچہ اللہ کو صحیح طور پر جانے بغیر پروان چڑھتا ہے اور اس کے اندر والدین کے لیے منفی جذبات پیدا ہوتے ہیں، جو بعد میں الحاد کا سبب بنتے ہیں۔

جب والدین یہ غلط طریقے اپناتے ہیں، تو اس سے بچے کی شخصیت پر گہرے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور وہ ایک غیر مستحکم اور کمزور فرد بنتا ہے۔ اس کے پاس الحادی افکار کے خلاف کوئی فکری یا دینی دفاع موجود نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے وہ ان کا آسانی سے شکار ہو جاتا ہے۔ والدین کے ساتھ خراب تعلقات، محبت کی کمی، اور تشدد اسے ڈپریشن جیسے نفسیاتی مسائل میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اسی لیے والدین کے ساتھ ایک صحت مند اور محبت بھرا رشتہ نہ صرف ایک اچھی شخصیت کی تعمیر کے لیے ضروری ہے، بلکہ یہ خدا پر ایمان کی بنیاد کو بھی مضبوط کرتا ہے۔

والدین اور اولاد کا اسلامی تعلق: الحاد سے حفاظت کی بنیاد

قرآن کریم انسان اور اس کے والدین کے درمیان تعلقات کی اہمیت کو واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ اسلام نے اس رشتے کو ایمان کی بنیادوں میں سے ایک قرار دیا ہے اور اس میں کوتاہی کو روحانی بحران، یہاں تک کہ الحاد کا سبب بھی بتایا ہے۔ اس تعلق کی دو اہم جہتیں ہیں: والدین کی ذمہ داریاں اور اولاد کے فرائض۔

والدین کی ذمہ داریاں

اسلام والدین کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی بہترین تربیت کریں اور ان کے لیے رحمت، شفقت اور محبت کا عملی نمونہ بنیں۔ والدین ہی وہ پہلے افراد ہیں جن کے ذریعے بچہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ربوبیت (پرورش) اور رحمت کا پہلا تجربہ کرتا ہے۔ اگر والدین کا رویہ اس کے برعکس ہو—یعنی وہ بچے کے ساتھ برا سلوک کریں یا غلط تربیتی طریقے اپنائیں—تو بچہ اختیار (Authority) کے ہر تصور سے متنفر ہو جاتا ہے۔ یہ بغاوت صرف والدین تک محدود نہیں رہتی، بلکہ بالآخر خدائی اختیار کو مسترد کرنے پر ختم ہو سکتی ہے۔

اولاد کے فرائض

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت یعنی توحید کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے، جو اس عمل کی غیر معمولی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ

اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا" ترجمہ: اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر تیرے سامنے ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے اُف تک نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے خوبصورت، نرم بات کہنا۔(سورۃ الاسراء:23)

یہ حکم قرآن میں متعدد مقامات پر دہرایا گیا ہے اسلام نے اس حکم پر اس قدر زور دیا ہے کہ اگر والدین مشرک ہوں اور اولاد کو شرک پر مجبور کریں، تب بھی ان کے ساتھ دنیا میں حسنِ سلوک جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس تعلق کی حکمت اور اہمیت

والدین کے ساتھ نیکی کے حکم میں گہری حکمت پوشیدہ ہے:

- **سبب کا احترام** :انسان کے وجود کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ ہے، جبکہ ظاہری سبب والدین ہیں۔ اسلام ہمیں سکھاتا ہے کہ ہم حقیقی سبب (اللہ) کی عبادت کریں اور ظاہری سبب (والدین) کی تعظیم اور ان پر شفقت کریں۔
- **شکر گزاری کا اصول** :نعمت دینے والے کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ حقیقی نعمت دینے والا اللہ ہے، لیکن والدین بھی ایک عظیم نعمت ہیں۔ حدیثِ نبوی ﷺ ہے: "جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا۔" (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی شکر المعروف، الحدیث:۴۸۱۱، ص۱۵۷۷)

- **بے مثال نعمت :** والدین کی محبت اور شفقت ایک بے مثال نعمت ہے، خصوصاً اس وقت جب بچہ انتہائی کمزور اور بے بس ہوتا ہے۔ ان کی قربانیوں کا کوئی بدل نہیں، کیونکہ بچہ ان کے وجود کا حصہ ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسلام میں والدین اور اولاد کا رشتہ صرف ایک سماجی تعلق نہیں، بلکہ یہ ایک گہرا روحانی اور ایمانی تعلق ہے۔ اس رشتے کی مضبوطی معاشرے اور فرد دونوں کو الحاد جیسے فکری انحراف سے بچانے کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔

اولاد کو الحاد سے کیسے بچائیں؟

بچے کی بہترین تربیت والدین کی اولین اور سب سے اہم ذمہ داری ہے، تاکہ وہ مستقبل میں ایک نیک اور صالح فرد بن سکے۔ اسلامی نقطہ نظر سے، تربیت کا مقصد صرف بچے کو ایک اچھا شہری بنانا نہیں، بلکہ اسے نفسانی خواہشات کی پیروی اور الحاد جیسے خطرناک فکری انحرافات سے بھی محفوظ رکھنا ہے۔ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب والدین اپنی تربیتی حکمتِ عملی کی بنیاد قرآن و سنت پر رکھیں اور خود بھی اللہ تعالیٰ کی صفات، جیسے رحمت، شفقت اور محبت، کا عملی نمونہ بن کر دکھائیں۔

خاندان بطورِ تربیت گاہ

قرآن کریم خاندان کو ایک زرخیز زمین سے تشبیہ دیتا ہے۔ جس طرح ایک اچھی اور زرخیز زمین سے بہترین اور صحت مند فصل اگتی ہے، اسی طرح ایک دیندار، پابند اور مومن خاندان ایسے بچے پیدا کرتا ہے جو نیک سیرت، پاکیزہ کردار اور صحیح سوچ کے مالک ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس، ایک ایسا خاندان جو اخلاقی اور دینی اعتبار سے کمزور، ایسے بچے پیدا کرتا ہے جو معاشرے کے لیے بوجھ بنتے ہیں اور بہت سے معاملات میں الحاد کی طرف مائل ہو سکتے ہیں۔ ان کا حال اس بنجر زمین جیسا ہے جس سے صرف بیکار اور کانٹے دار جھاڑیاں اگتی ہیں جو کسی کو فائدہ نہیں پہنچاتیں۔

اولاد والدین کے پاس اللہ کی طرف سے ایک امانت ہے۔ قرآن مجید نے اس امانت کی حفاظت کا سختی سے حکم دیتے ہوئے فرمایا: ”يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ

اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ'' ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ (التحریم:6)

بچے کے اخلاق اور ضمیر کی تشکیل

بچے کی شخصیت اور کردار کی بنیاد اس کے بچپن کے ابتدائی سالوں میں ہی رکھی جاتی ہے۔ اس عمر میں ڈالی گئی اچھی عادتیں اور اخلاقی اقدار عمر بھر اس کے ساتھ رہتی ہیں، جبکہ بچپن کی غفلت اور لاپرواہی بعد میں ناقابلِ تلافی نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔ لہذا مسلمان فرد کو چاہیے کہ وہ بچے کے بچپن، اس کی کم عمری، کمزوری، ضرورت اور اس پر اپنے اختیار کی طاقت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے صحیح اسلامی طریقے پر ہدایت اور تربیت دے۔ بچپن میں عادت ڈالنا بڑھاپے میں عادت ڈالنے سے بہت آسان ہے، کیونکہ بچے کا نرم اعصابی نظام تشکیل کے لیے زیادہ قابل ہوتا ہے، اور اس کی سطح پر کندہ کاری آسان ہوتی ہے۔

اور خیال رہے کہ اخلاق کو بہتر بنانا، اور برے کو اچھے سے بدلنا، تربیت، نگرانی اور جدوجہد سے ممکن ہے۔ اور اس کے بچے میں جو بھی طبیعت کی سستی، رویے کی بدصورتی، اور اخلاق کی برائی پائی جائے، اس کی اصلاح ممکن ہے۔

انسانی فطرت، خواہشات کی طرف مائل ہوتی ہے، لیکن صحیح تربیت، تہذیب اور مسلسل رہنمائی کے ذریعے اسے درست سمت دی جاسکتی ہے۔ اور یہی وہ بات ہے جس کی غزالی رحمہ اللہ نے رہنمائی کی ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اگر اَخلاق میں تبدیلی واقع نہ ہوتی تو وعظ و نصیحت اور تادِیب و تربیت سب بیکار ہو جاتا اور شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب و سینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے یہ بات منقول نہ ہوتی کہ ”حَسِّنُوۡا اَخۡلَاقَکُمۡ“یعنی اپنے اخلاق اچھے کرو۔

انسان کے حق میں اس بات کا انکار کیسے کیا جاسکتا کہ اس کی عادات میں تبدیلی ممکن نہیں جبکہ حیوانات کی عادات کو بدلنا ممکن ہے جیسا کہ باز کی وَحشَت، سکھانے کی وجہ سے اُنسِیَّت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ شکاری کتا سکھانے سے مُؤَدَّب ہو جاتا ہے اور شکار میں سے کچھ نہیں کھاتا بلکہ اسے روک لیتا ہے اور گھوڑا سرکشی سے اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرلیتا ہے اور یہ سب باتیں اخلاق کی تبدیلی ہی ہیں۔

(احیاء العلوم، ج3، ص171، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اور یہ سمجھنا نہایت ضروری ہے کہ والدین ہی بچوں کے لیے سب سے پہلے اور سب سے اہم رول ماڈل ہوتے ہیں، کیونکہ بچے اپنی ابتدائی عمر میں اپنے ارد گرد کے لوگوں، خاص طور پر اپنے والدین کی تقلید (imitation) کر کے ہی سیکھتے ہیں۔ لہٰذا، ایک مومن والدین جو اپنے بچے کی دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی چاہتے ہیں، وہ شعوری طور پر یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کے سامنے ایک بہترین عملی مثال پیش کریں تاکہ ان کی اولاد بھی اسی نیک راہ پر چلے۔

اس مثالی کردار کی بنیاد بچے کے ساتھ اعتماد اور احترام کا ایک مضبوط رشتہ قائم کرنے پر ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ والدین:

- **بچے کی بات سنیں**: اپنے بچے کی باتوں کو پوری توجہ اور دلچسپی سے سنیں تاکہ اسے اپنی اہمیت کا احساس ہو۔
- **حمایت کا یقین دلائیں**: اسے اپنی غیر مشروط حمایت کا یقین دلائیں تاکہ وہ خود کو محفوظ محسوس کرے۔
- **باہمی احترام سکھائیں**: اسے سکھائیں کہ خاندان کا رشتہ یکطرفہ نہیں، بلکہ باہمی محبت، حمایت اور احترام پر قائم ہوتا ہے۔

تاہم، محبت اور اعتماد پر مبنی اس رشتے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوئی اصول یا نظم و ضبط نہ ہو۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اہم اور بنیادی معاملات (جیسے اخلاقیات، عبادات اور اصول) میں نرمی نہ برتتے ہوئے ثابت قدمی دکھائیں۔ اس متوازن رویے سے بچہ یہ سیکھتا ہے کہ زندگی میں کچھ اصول اور حدود ایسی ہوتی ہیں جن پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا، اور اس طرح اس کی شخصیت میں نظم و ضبط اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

ضمیر کی تشکیل اور بچپن کے اہم مراحل

بچے کا ضمیر (اچھائی اور برائی میں تمیز کرنے کی صلاحیت) اس کے بچپن میں والدین، اسکول اور معاشرے سے سیکھے گئے اخلاقی اصولوں سے تشکیل پاتا ہے۔ اگر خاندان بچپن میں اعلیٰ اخلاقی اور دینی اقدار بچے کے دل و دماغ میں راسخ کرنے میں کامیاب ہو جائے، تو وہ بالغ ہو کر ایک مضبوط، باشعور اور مثبت شخصیت کا مالک بنتا ہے۔

- **(6سے 9سال)** : یہ ضمیر اور اخلاقیات کی تشکیل کا سب سے اہم اور بنیادی مرحلہ ہے۔ اس عمر میں بچہ اسکول جانا شروع کرتا ہے، اس کا سماجی دائرہ وسیع ہوتا ہے، اور وہ منطقی سوچ کی طرف بڑھتا ہے۔ اس کے اندر تجسس اور سوال پوچھنے کی خواہش بڑھ جاتی ہے۔ یہ بہترین وقت ہے کہ اسے دینی اور اخلاقی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے۔
- **(9 سے 12 سال)** :اس مرحلے میں بچے کی مجرد سوچ (Abstract Thinking) کی صلاحیت بڑھتی ہے اور وہ سچائی، امانت، دیانتداری اور تعاون جیسے پیچیدہ تصورات کو سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے،یہی وہ عمر ہے کہ جس میں والدین کو بچے کو نماز کی طرف راغب کرنے کا ارشاد فرمایا گیا ہے۔ خاندان اور اسکول دونوں کو مل کر اس کی اخلاقی تربیت کو جاری رکھنا چاہیے تاکہ اس کی شخصیت کی بنیادیں مضبوط ہوں اور وہ مستقبل میں الحاد اور دیگر فکری گمراہیوں سے محفوظ رہ سکے۔

بنیادی دینی تعلیم کی فراہمی

علم ایک روشنی ہے جو جہالت اور شکوک وشبہات کے اندھیروں کو دور کرتی ہے۔ جس طرح ایک مضبوط عمارت کے لیے گہری اور پائیدار بنیاد ضروری ہے، اسی طرح ایک مضبوط ایمان کے لیے بنیادی دینی تعلیم ناگزیر ہے۔ والدین کی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو صرف دنیاوی تعلیم کے زیور سے ہی آراستہ نہ کریں، بلکہ انہیں قرآن، حدیث، اور بنیادی عقائد (توحید، رسالت، آخرت) کی تعلیم بھی

دلوائیں۔ یہ تعلیم بچے کے ذہن میں ایک ایسا فلٹر نصب کر دیتی ہے جو حق کو باطل سے اور سچ کو جھوٹ سے الگ کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ اگر بنیاد ہی کمزور ہو گی تو الحاد اور لادینیت کی معمولی سی لہر بھی ایمان کی عمارت کو گرا سکتی ہے۔

الحاد کا فتنہ اکثر بنیادی دینی سوالات پر شکوک پیدا کر کے پھیلتا ہے، مثلاً: "خدا کا وجود کیسے مانیں؟"، "مذہب کی ضرورت کیوں ہے؟" وغیرہ۔ جس بچے کے پاس بنیادی دینی علم کا ہتھیار ہو گا، وہ ان سوالات سے گھبرائے گا نہیں بلکہ اسے اپنے عقائد کا دفاع کرنے کے لیے ٹھوس دلائل میسر ہوں گے۔ اس کا ذہن گمراہ کن فلسفوں اور نظریات کو قبول کرنے سے پہلے ان کا اسلامی معیار پر تجزیہ کرے گا، جس سے وہ فکری گمراہی سے محفوظ رہے گا۔

علمائے حق سے تعلق مضبوط کروانا

علماء انبیاء کے وارث ہیں اور ہدایت کے وہ مینار ہیں جو امت کو گمراہی کی تاریکیوں میں راستہ دکھاتے ہیں۔ موجودہ دور میں جہاں ہر طرف سے نت نئے فتنے جنم لے رہے ہیں، وہاں علمائے حق کی رہنمائی کے بغیر ایمان پر قائم رہنا انتہائی مشکل ہے۔ بانیٔ دعوتِ اسلامی، امیرِ اہل سنت علامہ محمد الیاس قادری مدظلہ العالی فرماتے ہیں: "علماء کے قدموں سے ہٹے تو بھٹک جاؤ گے۔" یہ محض ایک جملہ نہیں بلکہ دورِ حاضر کے ہر فتنے کا علاج ہے۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو بچپن ہی سے علماء کی مجالس میں لے جائیں، ان کی عزت و تکریم سکھائیں اور ان سے مسائل پوچھنے کا عادی بنائیں۔

الحادی فکر رکھنے والے لوگ اکثر قرآن و حدیث کی من مانی تشریحات یا پیچیدہ فلسفیانہ سوالات اٹھا کر نوجوانوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ ایک عام آدمی یا بچہ ان کے علمی مغالطوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ ایسے میں علمائے حق سے مضبوط تعلق ہی واحد حل ہے۔ جب بچے کا رابطہ کسی مستند عالم دین سے ہو گا، تو وہ کسی بھی قسم کا شبہ یا سوال فوراً ان کے سامنے پیش کر کے تسلی بخش اور مدلل جواب حاصل کر لے گا۔ یہ تعلق اسے فکری آوارگی سے بچاتا ہے اور اس کے ایمان کو مضبوط دلائل کی بنیاد فراہم کرتا ہے، جس سے وہ ملحدین کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنسنے سے محفوظ رہتا ہے۔

دوستوں کا انتخاب

والدین کی تربیت کے بعد اگر کوئی چیز بچے کی شخصیت، کردار اور عقائد پر سب سے گہرا اثر ڈالتی ہے تو وہ اس کے دوستوں کی صحبت ہے۔ صحبت کا اثر ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں، کیونکہ انسان لاشعوری طور پر اپنے ہم نشینوں کے اخلاق، عادات اور نظریات کو اپناتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم، رؤف رحیم ﷺ نے دوستی کے انتخاب کو ایمان کا معاملہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، پس تم میں سے ہر ایک کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کس کو اپنا دوست بنا رہا ہے۔" (جامع الترمذی، باب ۴۵، رقم ۲۳۸۵، ج ۴، ص ۱۶۷)

یہ حدیث مبارکہ والدین کے لیے ایک واضح ہدایت ہے کہ وہ اپنے بچوں کے دوستوں کے معاملے میں ہرگز غفلت نہ برتیں۔ جس طرح بری صحبت ایمان کی

بربادی کا سبب بن سکتی ہے، اسی طرح نیک دوستوں کا انتخاب بچے کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی اور فکری حفاظت کا ضامن بن جاتا ہے۔ جب بچہ نیک اور صالح دوستوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے تو اسے نیکی کرنے اور گناہوں سے بچنے کے لیے ایک مثبت ماحول میسر آتا ہے۔ اس کے دوست اسے نماز، سچائی اور دیگر اچھے کاموں کی ترغیب دلاتے ہیں، جس سے اس کے اندر نیکی پر استقامت پیدا ہوتی ہے۔

اچھے دوست آئینے کی طرح ہوتے ہیں جو انسان کو اس کی خامیوں سے آگاہ کرتے ہیں اور خوبیوں کو سراہتے ہیں۔ یہ صحبت بچے کو تکبر، جھوٹ، غیبت اور دیگر اخلاقی برائیوں سے بچا کر اس کے کردار کو مضبوط بناتی ہے۔

نیک دوستوں کی محفل میں علم و حکمت، دین اور تعمیری موضوعات پر گفتگو ہوتی ہے، جبکہ برے دوستوں کی صحبت لغویات، فضول باتوں اور وقت کے ضیاع کا باعث بنتی ہے۔ اچھی صحبت بچے کی ذہنی اور فکری نشوونما کو درست سمت فراہم کرتی ہے۔

آج کے دور میں الحاد اور لادینیت کا فتنہ سب سے زیادہ تعلیمی اداروں اور دوستوں کے حلقوں کے ذریعے نوجوان نسل میں پھیل رہا ہے۔ برے دوست جو خود دینی شکوک و شبہات کا شکار ہوتے ہیں یا دین کا مذاق اڑاتے ہیں، وہ آہستہ آہستہ بچے کے ذہن میں بھی زہر گھول دیتے ہیں۔ وہ اسلام پر طعن و تشنیع کو "روشن خیالی" اور دینی اقدار کی پابندی کو "تنگ نظری" بنا کر پیش کرتے ہیں، جس سے کم علم بچہ متاثر ہو کر اپنے عقیدے سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

صالحین سے محبت و تعظیم سکھانا

بچوں کے دلوں میں اللہ کے نیک بندوں (صالحین و اولیاء) کی محبت اور تعظیم پیدا کرنا ایک انتہائی اہم تربیتی اصول ہے۔ جس سے محبت ہوتی ہے، انسان اس جیسا بننے کی کوشش کرتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے بارے میں فرماتا ہے: "اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا" ترجمہ: بیشک وہ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے عنقریب رحمٰن ان کے لیے (لوگوں کے دلوں میں) محبت پیدا کر دے گا۔ (مریم:۹۶)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ اپنے نیک بندوں کو اپنا محبوب بناتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں بھی ان کی محبت ڈال دیتا ہے۔ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ان ہستیوں کی زندگی کے واقعات سنائیں تاکہ ان کے دل میں دنیاوی فنکاروں یا کھلاڑیوں کے بجائے اللہ کے ان محبوب بندوں کی محبت گھر کر جائے۔ یہ محبت محض ایک جذبہ نہیں بلکہ ایمان کی علامت اور آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے: "آدمی (قیامت کے دن) اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب الادب، ۴/۱۴۷، حدیث:۶۱۶۹)

بچہ جن صالحین سے محبت کرے گا، ان کی زندگی، ان کے تقویٰ، ان کے اخلاق اور ان کی عبادات کو اپنانے کی کوشش کرے گا۔ یہ محبت اسے ایک عملی اور مثالی کردار فراہم کرے گی جس کی وہ پیروی کر سکے گا۔

اللہ کے نیک بندوں سے محبت رکھنے سے انسان کو روحانی سکون اور قلبی نور

حاصل ہوتا ہے اور وہ برائیوں سے دور ہوتا ہے۔ اور الحاد اور مذہب بیزاری کی بنیاد اکثر روحانیت سے دوری اور خالص مادیت پرستی پر ہوتی ہے۔ جب بچے کے دل میں اولیاء اور صالحین کی محبت راسخ ہو گی تو اس کا دل روحانیت کی طرف مائل رہے گا۔ وہ یہ سمجھے گا کہ انسانی زندگی صرف کھانے پینے اور دنیاوی کامیابی کا نام نہیں، بلکہ اس کا ایک اعلیٰ روحانی مقصد بھی ہے۔ یہ محبت اسے ان ملحدانہ نظریات سے بچائے گی جو انسان کو محض ایک "ترقی یافتہ جانور" یا "کیمیائی مادوں کا مجموعہ" قرار دیتے ہیں۔

الحاد سے حفاظت کے لیے عملی تربیتی طریقے

1. **توحید کی تعلیم :** بچے کی تربیت کی بنیاد اللہ کی وحدانیت اور توحید پر ہونی چاہیے۔ یہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا بنیادی طریقہ تھا کہ وہ اپنی اولاد کو شرک سے بچانے اور صرف ایک اللہ کی عبادت کی تلقین کرتے تھے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعاؤں اور وصیتوں سے واضح ہے۔
2. **بامقصد مکالمہ:** بچوں کی صحیح تربیت کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ والدین ان کی سوچ اور خیالات کی مسلسل نگرانی کریں۔ انہیں اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ ان کے بچے کا ذہن سیدھے اور درست راستے پر گامزن رہے اور وہ کسی بھی قسم کے فکری انحراف سے محفوظ رہے۔ یہ مقصد صرف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب والدین اپنے بچوں کے ساتھ مسلسل اور دوستانہ مکالمہ کریں، انہیں نرمی اور محبت سے صحیح عقیدے کی وضاحت

کریں، اور انہیں گمراہ کن نظریات سے دور رہنے پر حکمت کے ساتھ قائل کریں۔

قرآن کریم اس تربیتی اصول کی بہترین مثال حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو کی گئی نصیحت کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ "ترجمہ:: اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اے میرے بیٹے! کسی کو اللہ کا شریک نہ کرنا، بیشک شرک یقیناً بڑا ظلم ہے۔ (القمان:13)

حضرت لقمان کی یہ نصیحتیں قیامت تک کے لیے ایک روشن مثال ہیں۔ یہ ہمیں سکھاتی ہیں کہ باپ اور بیٹے کے درمیان رشتہ صرف حکم اور اطاعت کا نہیں، بلکہ نرمی، مہربانی اور محبت پر مبنی ہونا چاہیے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو "یا بنی" (اے میرے پیارے بیٹے) کہہ کر مخاطب کیا، یہ انداز بیٹے سے گہری قربت، رحمت اور شفقت کا اظہار کرتا ہے۔ اگر نصیحت کا انداز ایسا محبت بھرا نہ ہوتا تو شاید وہ اتنی مؤثر ثابت نہ ہوتی۔ لہٰذا، بچوں کے ساتھ ایسا محبت بھرا اور دوستانہ مکالمہ ہی ان کی کامیاب رہنمائی اور نصیحت کو ان کے دلوں تک پہنچانے کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔

3. **وقتاً فوقتاً نصیحت اور یاد دہانی** :والدین کے لیے ایک نہایت اہم تربیتی اصول یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کو وقتاً فوقتاً نصیحت اور یاد دہانی کراتے رہیں۔ انسان اپنی فطرت میں بھولنے والا ہے، اسی لیے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یاددہانی کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرمایا:" وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ

الْمُؤْمِنِيْنَ" ترجمہ: اور سمجھاؤ کہ سمجھانا ایمان والوں کو فائدہ دیتا ہے۔ (الذاریات: 55)۔ بچے تو اپنی کم عمری اور بڑوں پر انحصار کی وجہ سے غفلت کا زیادہ شکار ہوتے ہیں، اس لیے وہ اس نصیحت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

اس کی بہترین مثال حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو کی گئی نصیحت ہے، جہاں وہ اللہ کی قدرت اور علم کی وسعت کی یاد دہانی کراتے ہوئے فرماتے ہیں: "يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِى السَّمٰوٰتِ اَوْ فِى الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ۔اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ" ترجمہ: اے میرے بیٹے! برائی اگر رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ پتھر کی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں، اللہ اسے لے آئے گا بیشک اللہ ہر باریکی کا جاننے والا خبردار ہے۔ (القمان:16)

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے ہر عمل پر قادر ہونے کی ایک طاقتور یاد دہانی ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ آج کے دور میں بہت سے والدین، چاہے وہ معاشرے میں کتنے ہی اعلیٰ مقام پر کیوں نہ ہوں، اپنی اس اہم ذمہ داری سے غافل نظر آتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کی رہنمائی اور نصیحت کے اس اہم فریضے کو کبھی ترک نہ کریں اور انہیں مسلسل یاد دہانی کراتے رہیں۔

4. **عبادت اور اخلاق پر توجہ**: بچے کی اصلاح اور رہنمائی کا ایک بنیادی طریقہ یہ ہے کہ اس کی توجہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف مبذول کرائی جائے اور اس کے اخلاقی رویے کو بہتر بنایا جائے۔ قرآن کریم اس سلسلے میں واضح رہنمائی

فراہم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اپنے اہل خانہ کو نماز کی تلقین کریں اور خود بھی اس پر ثابت قدم رہیں۔ اگرچہ یہ حکم براہِ راست نبی ﷺ کو دیا گیا، لیکن یہ پوری امت کے لیے ایک عام ہدایت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَیْهَا۔لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا۔ نَحْنُ نَرْزُقُكَ۔وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ''ترجمہ: اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی نماز پر ڈٹے رہو۔ ہم تجھ سے کوئی رزق نہیں مانگتے (بلکہ) ہم تجھے روزی دیں گے اور اچھا انجام پرہیز گاری کے لیے ہے۔ (طٰہٰ:132)

اسی طرح، حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کیں، وہ عبادت اور اخلاق دونوں پر مشتمل ہیں۔ انہوں نے فرمایا: یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ۔اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا۔اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ وَ اقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ۔اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ترجمہ: اے میرے بیٹے! نماز قائم رکھ اور اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کر اور تجھے جو مصیبت آئے اس پر صبر کر، بیشک یہ ہمت والے کاموں میں سے ہے۔ اور لوگوں سے بات کرتے وقت اپنا رخسار ٹیڑھا نہ کر اور زمین میں اکڑتے ہوئے نہ چل، بیشک اللہ کو ہر اکڑنے والا، تکبر کرنے والا ناپسند ہے۔ اور اپنے چلنے میں درمیانی چال سے چل اور اپنی آواز کچھ پست رکھ، بیشک سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔ (القمان:19،17)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم واضح ہے، جس میں نماز کو مرکزی حیثیت حاصل ہے کیونکہ یہ دین کا ستون ہے۔ نماز پر قائم رہنے سے انسان کی زندگی میں نظم وضبط اور استقامت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد، حضرت لقمان نے اخلاقیات کی اہمیت پر زور دیا، جیسے لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، تکبر سے بچنا، اور یہاں تک کہ اپنی آواز کو پست رکھنے جیسی باریک بینی کی بھی تلقین کی۔ انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ مباحثے میں آواز بلند کرنے سے غلبہ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کے منفی نتائج بھی نکل سکتے ہیں۔

ان ہدایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ والدین کو اپنی اولاد کی تربیت میں عبادات، خاص طور پر نماز، اور اعلیٰ اخلاقیات دونوں پر توجہ دینی چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کا عظیم اخلاق (سورۃ القلم: 4) ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے، کیونکہ آپ ﷺ ان تمام صفات کا عملی پیکر تھے۔

لہٰذا، بچے کی عبادت اور اخلاقی تربیت پر توجہ دینا والدین کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔ یہ عمل نہ صرف بچے کو ایک نیک انسان بنائے گا، بلکہ اسے مستقبل میں الحاد جیسے فکری خطرات اور دینی شکوک و شبہات کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی ذہنی اور روحانی طور پر مضبوط بنائے گا۔

5. **تنقیدی سوچ (Critical Thinking) کی تربیت :** بچے کو سوال کرنے، تحقیق کرنے اور بغیر دلیل کے کوئی بات قبول نہ کرنے کی ترغیب دیں۔ (6 سے 12 سال) کے مراحل اس تربیت کے لیے انتہائی موزوں ہیں کیونکہ

اس عمر میں بچے کی منطقی اور علمی صلاحیتیں تیزی سے بڑھ رہی ہوتی ہیں۔ اسے سکھائیں کہ وہ مختلف آراء کا احترام کرے لیکن ان کا تنقیدی جائزہ لے کر سچ اور جھوٹ میں فرق کر سکے اور علماء کرام کی رہنمائی لیتے ہوئے اسے درست معیار کے بارے آگاہ کرتے رہیں۔

بچے کو فکری طور پر مضبوط بنانے اور مستقبل میں پیش آنے والے شکوک و شبہات کا مقابلہ کرنے کے قابل بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں **تنقیدی سوچ (Critical Thinking)** کی صلاحیت پیدا کی جائے۔ اس کا مطلب ہے کہ بچہ سنی سنائی باتوں کو جوں کا توں قبول کرنے کے بجائے ان کا تجزیہ کرنا، سوال پوچھنا اور دلیل کی بنیاد پر نتیجہ اخذ کرنا سیکھے۔

بچے کی با معنی تنقیدی سوچ کی تربیت کا بہترین وقت **(6 سے 12 سال)** کی عمر ہے،۔ یہ وہ عمر ہے جو بلوغت سے پہلے آتی ہے۔

اس عمر میں بچہ:

- حسی اور ٹھوس چیزوں کے بارے میں منطقی طور پر سوچنے لگتا ہے۔
- بچے کا ذہنی افق تیزی سے وسیع ہوتا ہے۔ وہ پڑھنا، لکھنا، اور منطقی انداز میں سوچنا شروع کر دیتا ہے۔
- اسکول جانے سے اس کا سماجی دائرہ بڑھتا ہے اور وہ خود مرکزیت سے نکل کر دوسروں کا احترام کرنا اور ان کے ساتھ مل کر کام کرنا سیکھتا ہے۔

- اس کے اندر نئی چیزوں کو جاننے، دریافت کرنے اور نامعلوم کی کھوج لگانے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔
- اس کی سوچ حسی مثالوں سے آگے بڑھ کر مجرد تصورات (Abstract Concepts) کو سمجھنے کی طرف مائل ہوتی ہے۔

(علم النفس، کامل محمد عویضۃ، ص140)

والدین اور اساتذہ کو بچے کی اس فطری ذہنی ترقی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس میں تنقیدی سوچ کی بنیادیں مضبوط کرنی چاہئیں۔

تنقیدی سوچ کو فروغ دینے کے عملی طریقے

1. **سوالات کی حوصلہ افزائی کریں :** جب بچہ سوال پوچھے تو اس کا خیر مقدم کریں۔ اس کے سوالات کو سنیں اور اسے مزید سوچنے کی ترغیب دیں۔ کھیلوں اور پہیلیوں کے ذریعے بھی اس کی سوچنے کی صلاحیت کو ابھارا جا سکتا ہے۔
2. **بچے کی رائے کو اہمیت دیں :** بچے کے ساتھ اس کے خیالات اور فیصلوں پر بات کریں۔ اس سے پوچھیں کہ اس نے کوئی فیصلہ کیوں کیا؟ اس کے پیچھے کیا وجہ تھی؟ اس سے اسے اپنی سوچ کو منظم کرنے اور دلیل دینے کی مشق ہو گی۔

3. **خود مسائل حل کرنے کا موقع دیں :** ہر مشکل میں فوراً اس کی مدد کرنے کے بجائے اسے خود کوشش کرنے کا موقع دیں۔ اگر وہ ناکام ہو تو اس کی رہنمائی کریں اور اسے متبادل حل تلاش کرنے کا عادی بنائیں۔
4. **دلیل مانگنے کی عادت ڈالیں :** بچے کو سکھائیں کہ وہ بغیر دلیل اور ثبوت کے کوئی بات قبول نہ کرے۔ اسے مختلف آراء کا جائزہ لینا اور غیر جانبداری سے نتیجہ اخذ کرنا سکھائیں۔
5. **علم کے ذرائع فراہم کریں :** بچے کو علماء اہلسنت کی لکھی ہوئی کتابیں، خصوصاً امیر اہلسنت حضرت علامہ مولانا محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی کے رسالے، مدنی چینل دیکھنا اور تاریخی مقامات کی سیر جیسے مواقع فراہم کریں۔ یہ چیزیں اس کے علم میں اضافہ کریں گی اور اس کی تنقیدی سوچ کو فروغ دینے میں مددگار ثابت ہوں گی۔

خلاصہ یہ کہ بچپن کے یہ مراحل بچے کی شخصیت سازی کے لیے انتہائی اہم ہیں۔ اس عمر میں پیدا ہونے والا تجسس اور سیکھنے کی لگن تنقیدی سوچ کی تربیت کے لیے ایک بہترین موقع فراہم کرتی ہے۔ والدین اور اساتذہ کو مل کر اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے تاکہ بچہ مستقبل میں کسی بھی فکری چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو۔

6. **اچھا سلوک، رحمت اور شفقت :** بچوں کے ساتھ ہمیشہ محبت، رحمت اور شفقت کا برتاؤ کریں۔ نبی کریم ﷺ کا بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ بچوں کو چومتے، ان کے ساتھ

کھیلتے، ان کی غلطیوں پر صبر فرماتے اور ان کا خیال رکھتے تھے۔ والدین کا برا اور سخت رویہ بچے کو ان سے نفسیاتی طور پر دور کر دیتا ہے اور بعد میں یہی دوری الحاد اور بغاوت کا سبب بن سکتی ہے۔

7. **والدین کے ساتھ نیکی کی عملی تربیت :** بچے کو اپنے والدین کا احترام، ان کی خدمت اور ان کے ساتھ نیکی کرنا سکھائیں۔ اس کا سب سے مؤثر طریقہ یہ ہے کہ والدین خود اپنے والدین (بچے کے دادا دادی) کے ساتھ نیکی اور حسنِ سلوک کر کے بچے کے سامنے ایک عملی مثال پیش کریں۔

8. **بچوں کے سوالات کا حکمت سے جواب دینا:** بچے قدرتی طور پر متجسس ہوتے ہیں اور اپنے ارد گرد کی دنیا اور اپنے عقیدے کے بارے میں سوالات پوچھتے ہیں۔ والدین کو چاہیے کہ وہ ان سوالات کو سنجیدگی سے لیں اور ان کے ذہنی سطح کے مطابق تسلی بخش جوابات دیں۔ بچوں کے سوالات کو دبانے یا ان پر غصہ کرنے سے ان کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔

نئی نسل کا فکری تحفظ: الحاد کے چیلنج کا مشترکہ مقابلہ

آج کا دور سائنسی ترقی اور معلومات کی فراوانی کا دور ہے، جہاں انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا زندگی کا لازمی جزو بن چکے ہیں۔ اس ڈیجیٹل انقلاب نے جہاں انسانی شعور کو نئی وسعتیں دی ہیں، وہیں الحاد اور لادینیت جیسے فکری طوفانوں کو بھی جنم دیا ہے۔ پرنٹ، الیکٹرانک اور سوشل میڈیا پر ایک منظم انداز میں مذہب کے خلاف شکوک و شبہات کی ایسی یلغار جاری ہے جس کا بنیادی ہدف ہماری نوجوان نسل ہے۔ وجودِ باری تعالیٰ، رسالت، آخرت اور دیگر اسلامی عقائد کو فلسفیانہ مغالطوں اور جھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعے متزلزل کرنے کی کوششیں عروج پر ہیں، جس کا مقصد مسلم نوجوانوں کو دین سے بیزار اور بدظن کرنا ہے۔ اس فکری بحران میں اساتذہ، والدین اور علمائے کرام پر ایک بھاری اور مشترکہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ متحد ہو کر اس فتنے کا سدِباب کریں اور اپنی نسلوں کے ایمان کی حفاظت کو یقینی بنائیں۔

اس چیلنج سے نمٹنے کے لیے سب سے پہلا اور بنیادی قدم محبت اور حکمت پر مبنی ایک معتدل دینی خطاب کو فروغ دینا ہے۔ دین کی دعوت اور نصیحت کا انداز ایسا ہونا چاہیے جو اسلام کی خوبیوں، اس کے اخلاق اور انسانیت نواز پہلوؤں کو اجاگر کرے۔ اگر دین کو سختی اور تشدد کے ساتھ پیش کیا جائے گا تو اس سے وابستہ چند افراد کے غلط اعمال پورے دین سے منسوب کر دیے جائیں گے۔ آج کے نوجوان کی نفسیات اور

ذہنی سطح کو سمجھنا ناگزیر ہے۔ انہیں خشک اور روایتی انداز میں مخاطب کرنے کے بجائے ان کی زبان، ان کے اسلوب اور جدید ٹیکنالوجی کا مثبت استعمال کرتے ہوئے دین کا پیغام پہنچانا ہو گا، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے قریش کے سرداروں کو ان کی نفسیات کے مطابق دعوت دی تھی۔

اس فکری جنگ میں کامیابی کا ایک بڑا انحصار اس بات پر ہے کہ بچوں اور نوجوانوں کو اللہ کی کتاب (قرآن) اور نبی ﷺ کی سنت سے مضبوطی سے جوڑا جائے۔ قرآن مجید صرف تلاوت کی کتاب نہیں بلکہ انسان کی ہدایت کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو ہر دور کے شبہات اور شہوات کا شافی علاج پیش کرتا ہے۔ اس میں وہ دلائل اور براہین موجود ہیں جو الحاد کی تمام بنیادوں کو جڑ سے اکھاڑ سکتے ہیں۔ والدین کا فرض ہے کہ وہ گھر میں قرآن فہمی کا ماحول بنائیں، جب کہ اساتذہ، بالخصوص اسلامیات کے اساتذہ، اور علماء کا کردار یہ ہے کہ وہ قرآن کے آفاقی پیغام اور اس کے عقلی دلائل کو طلباء کے ذہنوں میں راسخ کریں۔ جب نوجوان نسل کا تعلق قرآن سے گہرا ہو گا تو وہ کسی بھی قسم کے فکری حملے کے سامنے نہیں ٹھہرے گی۔

آج کے دور کا ایک بڑا المیہ "بے لگام مطالعہ" ہے۔ انٹرنیٹ اور کتابوں کی دنیا میں معلومات کا ایک سیلاب ہے جس میں حق و باطل کی تمیز کرنا ایک عام فرد کے لیے انتہائی مشکل ہے۔ بہت سے نوجوان، علم کے شوق میں، بغیر کسی رہنمائی کے ایسی کتابیں اور مضامین پڑھ بیٹھتے ہیں جو مستشرقین یا ملحدین کے زہریلے افکار پر مبنی ہوتے ہیں۔ نتیجتاً، وہ ہدایت پانے کے بجائے مزید گمراہی اور شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتے

ہیں۔ اس فتنے کی اصل جڑ ایک صالح، علم و عمل والے رہنما یا مربی کی صحبت کا فقدان ہے۔ جس طرح جسمانی بیماری کے لیے ایک ماہر ڈاکٹر کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح روحانی اور فکری امراض کے علاج کے لیے اہل اللہ اور اہل علم کی صحبت ناگزیر ہے۔

سوشل میڈیا پر الحادی قوتیں انتہائی منظم طریقے سے کام کر رہی ہیں۔ وہ اسلامی ناموں سے جعلی آئی ڈیز بنا کر، نفرت انگیز مواد پھیلا کر اور مسلمانوں کو مشتعل کر کے ان کے شدید ردِ عمل کو بطور ثبوت پیش کرتے ہیں کہ مسلمان عدم برداشت کا شکار ہیں۔ ان کا مقصد علمی بحث نہیں بلکہ محض تضحیک اور تخریب کاری ہے۔ ایسے میں عام نوجوانوں اور مسلمانوں کو یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ ان کے اشتعال انگیز مواد پر گالی گلوچ یا سخت ردِ عمل ظاہر کرنا دراصل ان کے مذموم مقاصد کو پورا کرنے کے مترادف ہے۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایسے مواد کو نظر انداز کر کے رپورٹ اور بلاک کر دیا جائے۔ علمی اور فکری جواب دینا اہل علم کا کام ہے، اور عوام کو اس میں الجھ کر اپنا ایمان خطرے میں نہیں ڈالنا چاہیے۔

اس کے ساتھ ساتھ، دینی اداروں اور علمائے کرام کو بھی اپنے روایتی طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کرنا ہوگی۔ انہیں جدید چیلنجز، مغربی فکر اور عالمی تہذیبی کشمکش کا گہرا شعور حاصل کرنا ہوگا۔ جس طرح امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے دور میں یونانی فلسفے کا گہرائی سے مطالعہ کر کے اس کا رد لکھا تھا، آج کے علماء کو بھی مغربی سیکولر فلسفے، اس کی اصطلاحات اور انسانی حقوق کی زبان کو سمجھ کر انہی کے دلائل سے اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنا ہوگا۔ مدارس کے نصاب میں ایسے مضامین شامل کرنے کی اشد ضرورت

ہے جو جدید ذہن کے شبہات کا اطمینان بخش جواب دے سکیں اور فارغ التحصیل طلباء کو اس قابل بنا سکیں کہ وہ عصری اداروں میں جا کر نہ صرف اپنے ایمان پر قائم رہیں بلکہ دوسروں کے شکوک بھی دور کر سکیں۔

آخر میں، یہ ایک اجتماعی ذمہ داری ہے۔ ریاستی اداروں کو چاہیے کہ وہ ایسے قوانین وضع کریں جو الحاد اور توہینِ مذہب پر مبنی مواد کے پھیلاؤ کو روکیں۔ بڑی اسلامی تنظیمیں اس مسئلے پر تحقیق کے لیے پلیٹ فارم قائم کریں۔ والدین گھروں میں دینی تربیت کا ماحول فراہم کریں، اساتذہ اسکولوں اور جامعات میں طلباء کی فکری رہنمائی کریں اور علماء مساجد اور دینی مراکز سے عوام کو ان جدید فتنوں سے آگاہ کرتے ہوئے ان کا تعلق قرآن، سنت اور اہل اللہ کی صحبت سے مضبوط کریں۔ اگر یہ تینوں طبقات اپنی ذمہ داریوں کو پہچان کر ایک مربوط لائحہ عمل کے تحت کام کریں تو ان شاء اللہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کو الحاد کے اس تباہ کن سیلاب سے محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔